© rasailojaraid.com

تحریک اور جمود

سید اسعد گیلانی

(۳)

> افسوس ہے کہ میرے اس مضمون کی پچھلی قسط میں (صفحہ ۳۲ پر) بربنائے تسامح یہ درج ہو گیا ہے کہ "جنگ اُحُد میں مشہور صحابیہ خنساءؓ اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں"۔ یہ جنگ احد کا نہیں بلکہ جنگ قادسیہ کا واقعہ ہے جو ۱۶ھ میں ہوئی تھی۔ قارئین سے معذرت کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ اس مقام کی تصحیح فرمالیں۔
>
> اسعد گیلانی

کسی تحریک میں جمود پیدا ہونے چلے جانے کے اسباب صرف اخلاقی اور اصولی ہی نہیں ہوتے بلکہ تنظیمی اور اجتماعی بھی ہوتے ہیں۔ ان اسباب کے پیدا ہونے اور بڑھتے چلے جانے سے بھی جمود پیدا ہوتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔

تحریک میں مثالی کرداروں کی کمی

کسی تحریک کی دعوت کا فہم حاصل کر کے ہی لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں، لیکن ہر داخل ہونے والے میں فہم اور جذبہ دونوں چیزیں یکساں نہیں ہوتیں۔ نہ ان پر تحریک کی دعوت کا اثر اور عمل یکساں ہوتا ہے اور نہ ان میں اس کا ردّعمل ہی یکساں ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں تحریک اور اس کی دعوت کے لیے سرگرمی، لگن اور ایثار و قربانی کے جذبات بھی یکساں نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ آہستہ آہستہ نصب العین کی منزل کی طرف رواں ہوتے ہیں، کچھ تیز تیز چلتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی ساری توجہات اور محنتوں کا مرکز اور اپنی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کا محور اسی کو بنا لیتے ہیں اور اپنی خداداد استعداد و انہماک اور فہم و عمل کی یکسوئی سے نصب العین کے راستے پر بہت دُور آگے نکل جاتے ہیں۔ اسلامی تحریک میں انہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر یکساں ایمانی کیفیات کو ایمان کے تین مدارج میں بیان کیا گیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (بخاری)

(ترجمہ۔ اگر کوئی کسی بُرائی کو دیکھے تو اُسے ہاتھ سے روک دے۔ اور اگر یہ اس کے بس سے باہر ہو تو زبان سے اس کی مذمت کرے۔ اور اگر یہ بھی اس کے بس سے باہر ہو تو دل میں اُسے بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کی کمزور ترین صورت ہے)۔

دوسری جگہ فرمایا کہ اس سے نیچے اتنا ایمان بھی نہیں ہے جتنی اُڑد پر سفیدی ہوتی ہے۔

گویا نظامِ باطل کے خلاف لڑنے والی داخلی قوت —— ایمان —— کو تین درجوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ایمان کی وہ قوت جو بُرائی کے وجود کو قطعاً برداشت نہیں کرتی اور اسے بزورِ بازو مٹا دینے کا داعیہ رکھتی ہے، درجۂ اوّل کی مطلوب قوت ہے۔ یہی قوت باطل کے خلاف اپنا جہادِ موت و زیست گرم رکھتی ہے۔ یہی قوت رکھنے والے کارکنوں سے باطل کے خلاف جد و جہد کرنے والی تحریکِ اسلامی کی صفِ اوّل مرتب ہوتی ہے۔ دعوت کو سُننے اور قبول کرنے کے بعد ایمان کی دوسرے درجے کی قوت وہ ہوتی ہے جو باطل کو دیکھ کر اس سے لڑ جانے اور بزورِ بازو اسے مٹا دینے کی ہمت تو نہیں رکھتی، لیکن اس کے خلاف زبان کا جہاد ضرور کرتی ہے۔ یہ بھی ایک اہم کام ہے۔ چنانچہ سلطانِ جابر و ظالم کے خلاف اس قوت کے استعمال کو بھی جہادِ کبیر کہا گیا ہے۔ یہ قوت بھی مطلوب و محبوب ہے اور اس سے اسلامی تحریک کی وہ صف تیار ہوتی ہے جو ہمیشہ دعوت کو سربلند رکھتی ہے اور صفِ اوّل میں پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرتی رہتی ہے۔ اس کے بعد ایمان کا وہ تیسرا درجہ ہے جس میں انسان کا ضمیر بیدار ہوتا ہے۔ باطل کی قہرمانی پر اس کا دماغ سوچتا ہے، دل کُڑھتا ہے، ضمیر روتا ہے اور سینہ جلتا ہے، لیکن

ع لبوں پر مُہرِ خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

کے مصداق دعوتِ حق نہ عمل بن کر ہاتھ اور پاؤں سے ظاہر ہوتی ہے اور نہ قول بن کر لبوں پر آتی ہے۔ بس کُڑھن اور چُبھن بن کر دل کی پھانس بنی ہوئی سینے کو جلاتی اور خون کو کھولاتی رہتی ہے۔ یہ ایک کمزور اور نحیف و نزار سسکتے ہوئے ایمان کی علامت ہے جو سہولت ہو تو چار قدم چل لیتا ہے اور دشواری ہو تو ٹھٹھک کر ٹھہر جاتا ہے۔ جسے ظاہری طور پر پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے ایمان والے کارکن کو اگر شبہ ہو کہ باطل اور اس کے کارندوں کو اُس پر تحریکِ اسلامی کا ہمدرد ہونے کا گمان ہے، تو وہ اپنے اُوپر بے خبری، بے نیازی، لاتعلقی اور عدمِ دلچسپی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے کٹی کٹی نبا دے یکے بعد دیگرے اوڑھ لیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ اس کا کسی دعوت۔ دتحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے نزدیک تحریک سے تعلق کا مفہوم صرف ذہنی وابستگی ہوتا ہے اور اس طرح تحریک کے لیے اس کے وجود کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

تحریک کی قوت کے مختلف دائرے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی حقیقی قوت وہی لوگ ہوتے ہیں جو صفِ اوّل میں کھڑے ہو کر نظامِ باطل سے براہِ راست پنجہ کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے اندر بھی نظم کے پابند کارکنوں اور دل و جان کے کارکنوں کا فرق موجود ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک کے محسنین، یعنی دل و جان کے کارکنوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ دل و جان کے کارکن ہی تحریک کے انجن کا کام دیتے ہیں اور انھی کے کردار اپنے دوسرے ساتھیوں کے لیے نمونے کے مثالی کردار ہوتے ہیں۔ انھی کی قربانیاں تاریخ میں بیان کی جاتی اور منبر و محراب اور جلسوں اور پلیٹ فارموں سے دہرائی جاتی ہیں۔ انھی کے کارناموں کے بیان سے سرد خون گرم ہوتے ہیں۔ ٹھنڈے جذبات جوش میں آتے ہیں، بند جیبیں انفاق کے لیے کھلتی ہیں اور انھی کا طرزِ عمل تحریک کی منجمد فضا میں گرمی اور تیز روی کا خون دوڑاتا ہے۔ دنیا کی عظیم ترین اسلامی تحریک کے قائد فرماتے ہیں: مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں محفوظ ہیں انھیں واپس کرنے کے لیے میرے پیچھے کون میری جگہ میرے بستر پہ آج کی رات سوئے گا؟ وہ بستر جس پر قریش کے شمشیر زن اس رات تلواریں برسانے والے تھے۔ ایک نوجوان موت کے بستر پہ اس رات سونے کے لیے بے دھڑک تیار ہو جاتا ہے۔ وہ بستر اس رات تاریخِ عزیمت کا بستر تھا۔ وہ نوجوان کہتا ہے کہ اتنی ٹھنڈی اور میٹھی نیند تو مجھے اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی جو اس رات آئی۔ اس کی یہ بات تاریخ کے سینے پر ثبت ہو جاتی ہے۔ وہ کردار تاریخ کا سہرا بن جاتا ہے، وہ کردار مثالی بن جاتا ہے۔ آج ہم کسی اسلامی تحریک کے اندر بڑھتی ہوئی سردی اور انجماد کو اس کردار کی دی ہوئی گرمی سے دُور کر سکتے ہیں۔

اسلامی تحریک کے قائد کفّار کے خلاف لشکر مرتب کر رہے ہیں، کفر و اسلام کا بہت بڑا فیصلہ کن معرکہ سلطنتِ روم کی سرحد پر برپا ہونے والا ہے۔ تحریک کی طرف سے ایثار و قربانی کا ہر کسی سے مطالبہ ہے۔ لوگ اپنے اپنے مال لیے چلے آ رہے ہیں۔ حسبِ حیثیت، حسبِ جذبہ و توفیق، کوئی آدھا گھر اٹھا لایا ہے اور کسی نے پورا گھر سمیٹ کر خدا کے لیے تحریک کے دامن میں لا ڈالا ہے اور اس سوال پر کہ اپنے لیے کیا رکھا ہے یہ جواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتا ہے کہ

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

یہ جواب تاریخ کا سرمایہ بن جاتا ہے۔ دوسروں کے لیے عمدہ مثال بن جاتا ہے۔

ایک صاحب جھینپتے شرماتے دامن میں کوئی شے ڈالے چلے آرہے ہیں، تحریک کے عظیم مقصد اور درپیش معرکے میں مالی امداد کے لیے رات بھر رہٹ چلا کر مزدوری کی ہے، اب ہاتھوں کے چھالے چھپاتے دامن میں تھوڑی سی کھجوریں ڈال کر تحریک کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ اتنے بڑے مال کے ڈھیر کے سامنے کھجوروں کے چند دانے کیا حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان دانوں کی اوٹ میں ایثار و قربانی کا جذبہ اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بلند ہے جو ہر کسی کو نظر آئے یا نہ آئے، لیکن تحریک کے قائدؐ کو تو صاف نظر آرہا ہے اور وہ چھوہارے سارے ڈھیر پر حاصل ایثار قرار دے کر بکھیر دیے جاتے ہیں۔ وہ شخص بھی تاریخ کا مثالی کردار بن جاتا ہے۔

ان مثالی کرداروں سے صدیوں بعد تک لوگ عزیمت و استقامت، جذبہ و توانائی اور حرکت و قوت کا سبق سیکھتے ہیں۔ ایک صاحب تحریک کے لیے اپنے کافر والد سے تلوار لے کر اُلجھ پڑتے ہیں۔ ایک صاحب تلوار لے کر اپنے کافر بیٹے کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب اپنا سارا مال و متاع راہِ حق میں لُٹا کر اور دامن جھاڑ کر سفرِ ہجرت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک صاحب جو ریشم و کمخواب میں کھیلتے تھے اب جسم پر بوریہ لپیٹے پھرتے ہیں۔ ایک خاتون اپنے جگر پاروں کی شہادت پر شکرِ خدا بجا لا رہی ہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں کام آئے اور وہ شہیدوں کی ماں بن گئی۔ ایک صاحب گلیوں میں اذانِ دعوتِ حق بلند کرنے کے جرم میں پتھروں سے زخمی کیے جا رہے ہیں۔ یہ عین کشمکشِ حق و باطل کی منجدھار میں جان ہتھیلی پر رکھے کشمکش کرنے والے اور تخت یا تختہ کا نعرہ لگا کر زندگیوں کو ہتھیلی پر رکھے محوِ جہاد مثالی لوگ ہیں۔ یہ تاریخی کردار ہیں۔ یہ مثالی کردار ہیں۔ ان کو دیکھ کر تاریخ میں جان پیدا ہوتی ہے۔ ان کے وجود سے دنیا میں نصب العین سے عشق کا معیار قائم ہوتا ہے اور اس کی محبت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ ان کی کوشش اور مرضی سے تاریخ اپنا دھارا بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ تاریخِ انسانیت کا خزانہ، اس کا جوہر، اس کا مکھن اور اس کا سرسبز اثاثہ ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ بہت ہوں تو تحریک کی رفتار تیز تر اور اس کی قوتِ جہاد برق کی مانند تیغِ بُرّاں ہوتی ہے۔ یہ لوگ مناسب حد تک ہوں تو تحریک اپنی فطری رفتار سے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ یہ لوگ کم ہو جائیں تو تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُونگھنے لگتی ہے اور اس کی رگوں کا خون منجمد ہونے لگتا ہے ۔ یہ لوگ مفقود ہو جائیں تو تحریک کو اضمحلال و انحطاط سے اور اس کی صفوں کو جمود و انجماد سے کوئی شے نہیں بچا سکتی ۔ ایسے لوگ تحریک کے ماتھے کا جھومر ہوتے ہیں ۔ اس کی رگوں کا خونِ حیات ہوتے ہیں ۔ انہیں ضائع کر دینا یا انہیں پیچھے پھینک کر بے ضمیر یا ضعیف الایمان لوگوں کو آگے لانا، جیسا کہ اسلامی تاریخ کے دورِ ملوکیت میں ہوا، تحریک کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے اور جو تحریک ایسے لوگوں سے بے نیاز ہو جاتی ہے تاریخ ایسی تحریک سے بے نیاز ہو جاتی ہے ۔ غرض ہر باشعور اور مخلص تحریک کی تاریخ ایسے لوگوں کا انتظار کرتی رہتی ہے ۔ وہ لوگ آئیں تو تحریک آگے بڑھتی ہے اور اگر وہ نہ آئیں تو تحریک نشانِ عبرت بن کر تاریخ کا غبار بن جاتی ہے ۔

یکساں حرکت، علامت جمود تحریکوں کے لیے یکساں لگے بندھے پروگرام پر مسلسل اور پیہم چلتے رہنا، رفتارِ کار میں اضافے کا کوئی خصوصی اہتمام نہ کرنا، نصب العین تک پہنچنے کے لیے حدودِ کار میں رہتے ہوئے مختلف النوع تدابیر اختیار نہ کرنا، مُہمّات کے ذریعے کارکنوں کو فعال و بیدار و مستعد رکھنے کی کوشش نہ کرنا اور انہیں ایک ہی رفتار سے چلاتے چلے جانا، حرکت کا اس نوعیت کا یکساں تسلسل بھی بذاتِ خود جمود کا باعث بن جاتا ہے ۔ سائنس بھی حرکت کے اس یکساں تسلسل کو علامتِ جمود ہی قرار دیتی ہے ۔ اجرامِ فلکی اپنی رفتار کی اس یکسانی کے باعث ہی اتنی تیز رفتاری کے باوجود ٹھہرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ ایسی حرکت نتیجہ خیز ہونے کی بجائے بتدریج خود مقصد بن کر رہ جاتی ہے اور رفتارِ کار بڑھانے کے منصوبے بھی کارکنوں کو تیز تر کرنے سے قاصر رہتے اور مقصدِ جمود و انحطاط کو ہی پورا کرنے لگتے ہیں ۔ یہاں تک کہ تحریک کو اسی انداز اور اسی رفتار سے لیے چلنا اور اسی انداز سے اُسے قائم رکھنا ہی مقصود بالذات بن جاتا ہے ۔ جب یہ صورت بن جاتی ہے تو اس رفتار کا قائم رکھنا بھی درحقیقت ممکن نہیں رہتا ، اور مُہمّاتی انداز میں خصوصی جدوجہد کر کے رفتار کو تیز تر نہ کرنے کا نتیجہ رفتار کی کمی کی صورت میں نکلنے لگتا ہے اور جب کوئی گاڑی ایک دفعہ ایک خاص رفتار قائم کر لیتی ہے تو پھر وہ ٹھہراؤ کی سمت مسلسل حرکت کرنے لگتی ہے ۔ اس کے بعد اس کے بتدریج ٹھیرتے چلے جانے اور بالآخر ایک نقطۂ سکون پر پہنچ جانے کو معمول کی کارگزاریاں نہیں تھام سکتیں جب تک خصوصی کوشش کر کے حرکت کو جھٹکوں (JERKS) اور مہمّات کے ذریعے بڑھانے کا خصوصی اہتمام نہ کیا جائے ۔ خصوصی تدابیر سے بڑھائی ہوئی حرکت ہی دیکھنے والوں کو متاثر کرتی اور اس کے ساتھ حرکت کرنے والوں کو مطمئن کرتی ہے ورنہ مسلسل ساتھ چلنے والے بھی مطلوبہ نتائج سے دُوری کے تصوّر سے چلنے کی بجائے گھسٹنے لگتے ہیں اور تحریک جمود کا شکار ہوتی چلی جاتی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات ہر تحریک کے چلانے والوں کی اپنی بصیرت پر مبنی ہوتی ہے کہ وہ تحریک کو فعال و بیدار رکھنے کے لیے نئے سے نئے پروگرام بنائیں۔ اسے نئی سے نئی حرکت دیں۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے فاصلے کو چھوٹی چھوٹی مسافتوں میں تقسیم کریں اور ان مسافتوں کو طے کرنے کے لیے تحریک کے سامنے چھوٹی چھوٹی مُہمات رکھیں۔ تحریک میں پروگراموں کی اس یکسانی کو بار بار رفع کریں جو جمود بن سکتی ہو۔ تحریک کے اصولی کردار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے اجتماعی ڈھانچے کو مختلف ذرائع سے حرکت میں رکھیں۔ اس امر کا امتیاز قائم رکھیں کہ تحریکوں کے معمول کے داخلی پروگرام ہی ان کے حقیقی پروگرام نہ بن کر رہ جائیں۔ جیسے کھانا جسم کی نشوونما کے لیے تو ضروری ہے لیکن خود جسم کسی اور مقصد کے لیے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھانا جسم کے لیے اور جسم کھانے کے لیے مختص ہو کر ایک دائرے کی گردشِ لیل و نہار میں بند ہو جائیں اور پھر جسم کسی منزل تک نہ پہنچ سکے اور اپنی ہی گردش میں گم ہو کر رہ جائے۔

اس نوعیت کی مثال کے لیے ہمیں دنیا کی ہر اجتماعی جدوجہد میں نظیریں مل سکتی ہیں، لیکن انہیں چھوڑ کر ہم خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت و تحریک پر نظر ڈالیں تو ہمیں وہاں اس کی نہایت عمدہ مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً تین سال کی خفیہ دعوت کو ترک کر کے اچانک پورے شہر کے لوگوں کو جمع کرنا اور ان کے سامنے ایک خاص انداز میں دعوت پیش کرنا ایک بہت بڑی پیش قدمی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد ایک پروگرام کے تحت دعوت کے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد کا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کے پردیس کی طرف ہجرت کر جانا اور گھر گھر میں اور دُور و نزدیک میں اس بات کا چرچا پھیل جانا ایک اور پیش قدمی تھی۔ پھر معراج کے واقعہ کا چرچا اور مجالس میں ہاؤہو اور ہنگامے بھی ایک اور بڑی ضرب تھی۔ پھر پوری جماعت کا ایک مورچہ چھوڑ کر دوسرے مورچے پر چلے جانا اور دشمنوں کے لیے محاذ آرائی کی سی کیفیت پیدا کر دینا تو ایک زبردست انقلابی اقدام تھا۔ پھر تجارتی قافلہ کو جو نرم چارہ تھا، چھوڑ کر فوجی کارروائی کا راستہ اختیار کرنا تحریک کے لیے شجاعت و بہادری کا عظیم مثالی کارنامہ تھا۔ اسی طرح شہر کے اندر رہ کر مقابلے کے بجائے کھلے میدان میں زور آزمائی کا فیصلہ بھی اظہارِ قوت کا عمدہ مظاہرہ تھا۔ اور پھر سارے عرب کے اُمنڈ آنے پر احزاب کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی کامیاب تدابیر بھی حکمتِ کار کا نمونہ ثابت ہوئیں۔ غرض اس تحریک کی ۲۳ سالہ جدوجہد میں ہم مختلف مواقع پر ایسی ایسی تدابیر کو بروئے کار آتے دیکھتے ہیں جو پوری جماعت کو چوکنا، بیدار، مستعد، چاق چوبند اور جان فروش بنانے کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی تھیں۔ تحریک کے دورِ ثانی میں جب وہ محاذ آرائی کے مورچے پر پہنچ چکی ہے صرف نو سال کے عرصے میں تراسی (۸۳) سے زائد معرکے اور مہمات تاریخ میں درج ہیں۔ ایسے فعال گروہ میں جمود اور عدمِ دلچسپی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہاں تو حرکت اتنی تیز، کشمکش اتنی جاںگسل اور جدوجہد اتنی زوردار ہے کہ کسی کے لیے ٹھیراؤ اور جماؤ اور پڑاؤ کی کوئی مہلت ہی نہیں ہے۔ پھر تحریک کی اپنی انفرادیت اتنی بے پایاں ہے کہ اس کے بارے میں ایک طالع آزما گروہ ہونے کا دُور دُور تک گمان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب سے منفرد، سب سے مختلف، اور سب کے لیے واضح لائحۂ عمل رکھنے والا ایک جانباز گروہ ہے جسے اپنے پاؤں پر خود جدوجہد کرنی ہے اور اپنے نتائج اپنی جدوجہد سے خود برآمد کرنے ہیں۔ وہ تحریک ایک آکاس بیل کی طرح نہیں ہے جو کسی درخت کا سہارا لے کر کھڑی ہو بلکہ وہ خود تن آور درخت ہے جس کے سایے میں صحرانشین آکر دم لیتے اور قلب و ضمیر کی خنکی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ تحریک اپنے مختلف مراحل کے اعتبار سے آگے بڑھتی ہوئی ایک ایسی سرگرم قوت ہے جو ہردم تیز تر ہے اور اس کی پیش قدمیوں میں یکسانی اور جمود کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ سراپا حرکت ہے اور ہر حرکت کے بعد دوسری حرکت پہلی سے تیز تر ہے۔

میری رائے میں کسی تحریک کی بابصیرت قیادت کا سب سے پہلا فریضہ یہی ہوتا ہے کہ وہ تحریک کو جمود کی ڈگر پر نہ پڑنے دے۔ جس طرح کچے راستے پر چھکڑا اپنی ہی بنی ہوئی لکیر کا پابند ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر اس کے لیے اس میں سے نکلنا اور اپنی رفتار بڑھانا ممکن نہیں رہتا، اسی طرح اگر کوئی تحریک اپنے ہی بنائے ہوئے روزمرّہ کے داخلی پروگرام میں محبوس ہو کر رہ جائے اور کوئی انقلابی اقدام نہ کرسکے تو اسے جمود کا شکار ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

باہمی تعلقات کی ناخوشگواری

جمود کے بہت سے اسباب میں سے ایک نہایت ہی اہم سبب کارکنوں کے باہمی تعلقات کی ناخوشگواری بھی ہوتی ہے۔ مطلوب اور معیاری چیز تو یہی ہے کہ تعلقات انتہائی خوشگوار ہوں، محبت و اُلفت اور رفاقت و مودّت کا جذبہ افراد کو باہم جوڑے ہوئے ہو، اور شیطان کو دخل اندازی کا کوئی موقع میسّر نہ آئے۔ لیکن انسانوں کے درمیان یہ بھی ایک فطری صورت ہی ہے کہ ان میں باہمی غلط فہمیاں پیدا ہوجائیں، تعلقات ناخوشگوار ہوجائیں اور باہمی کھنچاؤ اور تناؤ پیدا ہوجائے۔ اس سے آگے بڑھتے ہوئے قدم رُک جاتے ہیں اور وہ قوتیں جو باطل کو گرانے اور دشمن کو زیر کرنے پر صرف ہونی چاہییں، ایک دوسرے کو گرانے، ہٹانے اور اُلجھنے میں صرف ہونے لگتی ہیں اور آگے بڑھنے کا عمل رُک کر پیچھے ہٹنے کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اس طرح تحریک کی بہت سی قوت بکھر کر رہ جاتی ہے۔ اس سے تحریک کی ہوا اُکھڑنے لگتی ہے اس کا بھرم اور وزن کم ہونے لگتا ہے۔ اس کا رعب اور وقار گھٹنے لگتا ہے اور جو کام صرف اس کے نام کے زور سے ہوسکتے تھے اب وہ اس کے وزن اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش سے بھی ہونے مشکل ہو جاتے ہیں، اور دشمنوں کی مجلسوں میں اس کا مذاق اُڑنے لگتا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

(ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اور یوں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلامی تحریک کے ساتھیوں کو باہم بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ خود حضورؐ نے بھی مختلف مواقع پر اور مختلف پیرائے میں اسلامی تحریک کے ساتھیوں کے درمیان محبت و اُلفت کو ایمان کا جزو لاینفک قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ اکرم نے فرمایا:

"تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے۔"

حضورؐ نے اپنی نو باتوں والی حدیث میں بھی اپنے ذاتی طرزِ عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، اور جو مجھ کو حق سے محروم کرے میں اس کا حق اس کو دوں، اور جو میرے اُوپر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔"

پھر قرآن نے بھی حضورؐ کے ساتھیوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

(کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں)

اِن واضح ہدایات کے باوجود انسانی فطرت کی کمزوریوں کے باعث تحریک میں نزاعات رونما ہو سکتی ہیں، کارکنوں میں ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمیاں اور باہم بدمزگیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں، اور بسا اوقات وہ شدید صورتیں بھی اختیار کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر کارکنوں میں بنیادی طور پر خدا ترسی و حق پرستی اور مقصدِ تحریک کے ساتھ مخلصانہ وابستگی موجود ہو، اور تحریک کے نظام میں رفعِ نزاعات کا انتظام بھی مؤثر طریقے سے کام کرتا رہے تو کوئی دیر پا خرابی رونما نہیں ہو سکتی اور نہ تحریک کی پیش رفت میں کوئی خلل واقع ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کارکن کبر و نخوت اور نفسانیت میں مبتلا ہوں، مقصدِ تحریک کی بہ نسبت اپنی ذات کو اوّلیت دیتے ہوں اور تنظیم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی رفع نزاعات کا کوئی مؤثر انتظام نہ ہو، نہ کارکنوں کے اندر مقصدی وحدت کو برقرار رکھنے کے لیے عملی اور فطری تدابیر اختیار کی جائیں، تو ناخوشگوار تعلقات میں اضافہ اور باہمی کھنچاؤ کا عمل دخل ہوتا چلا جاتا ہے جس سے تحریک کی رفتارِ کار رک جاتی ہے اور اس کی گاڑی صحیح سمت میں چلنے کی بجائے اضمحلال و انحطاط کا شکار ہو کر بعض اوقات سمتِ سفر تک بدل جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نزاعات سے تحریک کو زبردست نقصان پہنچتا ہے۔

اجتماعی زندگی کے اندر انسانی تعلقات میں ناخوشگواری سے بعض اوقات اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا بڑا نقصان بگاڑ کو زندہ اور تازہ رکھنے کے رجحان اور سلجھانے والے عوامل کو بروئے کار نہ لانے سے پہنچ جاتا ہے۔ اصلاحِ ذات البین میں تاخیر اور اس سے بے رُخی معاملات کو اور اُلجھا دیتی ہے۔ اِس سے تعلقات کی کشیدگی کے جذباتی زخم مندمل ہونے کی بجائے اور گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں، اور تحریک کی قیادت ضابطہ بندی کا شکار ہو کر انسانی نفسیات میں مزید اُلجھاؤں کا باعث بن جاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اگر تحریک کے کارکن بے نفسی سے اور اس کے قائدین حکمت سے بہرہ ور ہوں تو وہ نہایت آسانی سے فریقین کے ساتھ شخصی رابطہ پیدا کر کے اپنے شخصی اثرات استعمال کر کے اور اپنے تعلقات اور تحریک کی بھلائی کا واسطہ دے کے بگڑے ہوئے تعلقات کو سدھار دیتے ہیں اور کشیدگی کو خوشگواری سے بدل دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسانی تعلقات کو جاندار انسانی عمل سے ہی سدھارا جا سکتا ہے، بے جان ضابطے اور محض تنظیمی روابط انسانوں کو باندھ تو سکتے ہیں لیکن انہیں جوڑ نہیں سکتے۔ جوڑنے والی چیزیں محبت و اخوت، مدد و تعاون، دکھ درد میں شرکت، ہمدردی، رحمدلی، ایثار و قربانی اور "دل بدست آور کہ حج اکبر است" کا وہ طرزِ عمل ہے جس میں انسانی قلب و جگر کی حرارت محسوس ہوتی ہو۔ پتھروں کو جوڑنا بلاشبہ مشکل ہوتا ہے۔ لیکن ان انسانوں کو جوڑنا جو خلوصِ قلب اور بے لوثی کے ساتھ ایک نصب العین کی ڈوری سے باہم بندھے ہوئے ہوں زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اگر کسی گروہ کے افراد کی ذہنیت، اور اس کے نظم کی قیادت ساتھیوں میں باہمی تعلقات کی خوشگواری پیدا کرنے اور قائم رکھنے سے بھی قاصر ہو، اور جو زخم کہیں لگ جائے اُسے کُریدنے اور گھاؤ بڑھانے کی خصوصیت تو رکھتی ہو لیکن اسے مندمل کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو تو پھر ہر نزاع ایک دُوری، اور ہر اختلاف ایک بگاڑ پر منتج ہوتا ہے اور ایسا بدنصیب گروہ بتدریج بگاڑ اور انتشار اور جمود کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔

قرآن کی بے شمار آیات اور حضورِ اکرمؐ کے بے شمار ارشادات اسلامی اجتماعی زندگی میں تعلقات کی درستی کی تعلیم دیتے اور تعلقات میں ناخوشگواری پیدا کرنے والے عوامل سے روکتے ہیں۔ ان تعلقات کو تباہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والی اور سب سے بڑی بلا غیبت اور چغل خوری ہے۔ کسی کا تمسخر اڑانا اور اس کے بارے میں غلط فہمیاں اور سوءِ ظن پھیلانا ہے۔ بہتان تراشی اور دل آزاری تعلقات کو کاٹنے والی قینچیاں ہیں۔ افواہ بازی اور اس پر یقین کر کے بلا ثبوت اُسے آگے پھیلانا ہے۔ اجتماعی زندگی میں بعض افراد کی بعض افراد کے خلاف جتھہ بندی اس اجتماعیت کو تباہ کرنے کے مترادف اور ایک بے غرض بے لوث اسلامی اجتماعیت کا تقدس برباد کرنے والی حرکت ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلقات کو سدھارنے والی چیز باہمی ہدیوں کا تبادلہ، ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شرکت، ایک دوسرے کی عزت و آبرو کا تحفظ، محبت و خوش اخلاقی سے باہمی ملاقات اور شکایات کو رفع کرنے کا مؤثر اہتمام ہے۔ یہ نہ ہوگا تو لوگ ایک دوسرے سے بدظن اور بددل ہو کر چھٹتے اور ایک ایک کر کے بیٹھتے چلے جائیں گے اور پوری اجتماعیت بتدریج جمود کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔

(باقی)

© rasailojaraid.com